Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکیوں کے ملائم، لمبی لمبی سُروں والے گیتوں کو سنتا رہا جن میں کنوار پنے کی تانوں کے ساتھ ساتھ، مُحبت میں لٹنے والوں کی بے سروسامانی کے راگ تھے۔ اُنہیں سُنتے سُنتے یعقوب اعوان کے دِل میں اچانک ایک ویران سی بے چینی کا احساس پیدا ہُوا۔ اُس نے جگت سنگھ کو کندھے سے جھنجھوڑ کر بیدار کرنے کی کوشش کی۔ جگت سنگھ نیند میں بڑبڑایا اَور کروٹ بدَل کر بے سدھ ہوگیا۔ یعقوب اعوان نے اُسے کیسوں سے پکڑ کر کھینچا۔

"میں گھر جا رہا ہوں،" وہ بولا۔

جگت سنگھ نے پَل کے پَل کو سُرخ سُرخ آنکھیں کھولیں اَور پھر بند کرلیں۔

"گھر جا رہا ہوں۔" یعقوب اعوان نے دُہرا کر کہا۔

"کُوبے،" جگت سنگھ اُس کے کرُتے کا دامن دبوچ کر بولا، "مجُھے چھوڑ کے نہ جا۔"

یعقوب اعوان کرُتا اُس کے ہاتھ سے چھڑا کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "پھیرا لگا کر مڑ آؤں گا جگُو،" وہ بولا، اَور صحن سے نِکل کر باہر آگیا۔

یعقوب اعوان کے گھر کا صحن والا دروازہ اَندر سے بند تھا۔ وہ چند قدم ہٹ کر دوڑا اَور اُچک کر دیوار پر چڑھ گیا۔ وہاں سے اُس نے صحن میں چھلانگ لگا دی۔ صحن میں بندھی ہُوئی ان کی گھوڑی رنگیلی زمین پر کھُرمار کر ہنہنائی۔ یعقوب اعوان نے رنگیلی کی گردن اَور پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ رنگیلی نے گردن موڑ کر ہونٹوں سے اُس کے کان کو گدگدایا۔ یعقوب اعوان صحن کے بیچ آ کر رُک گیا اَور چہرہ اُٹھا کر آسمان پر چاند کو دیکھنے لگا۔ ایک طرف اُس کے بدَن کی تکان اُسے اپنے بستر کی جانب کھینچ رہی تھی، دُوسری طرف اُس کے دِل کی چاہ اُسے بیاہ والے گھر کو لئے جاتی تھی۔ وہ دیوار کی طرف بڑھا تو اُس کا جی ٹاپنے کو نہ کیا۔ اُس نے زمین پہ لیٹی ہُوئی لکڑی کی سیڑھی اُٹھا کر دیوار کے ساتھ کھڑی کی اَور اُس پہ چڑھ کر باہر گلی میں چھلانگ لگا دی۔

پُرسکوُت چاندنی گاؤں کی گلیوں اَور دیواروں سے لپٹی تھی۔ یعقوب اعوان دیر تک ایک گلی سے دُوسری، اَور دُوسری سے تیسری میں پھرتا رہا۔ گاؤں بھر میں اُسے کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ گلیاں ایسے ویران پڑی تھیں جیسے اِن کے باسی ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جا چکے ہوں۔ فضا پر گہرے خواب کی مدہوشی طاری تھی۔ آخر تھکن سے چوُر ہو کر یعقوب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعوان نے بھگت سنگھ کے گھر کی راہ لی۔ گھر کے قریب آ کر اُس کے کان میں ایک عورت کے گانے کی ڈوبتی اُبھرتی ہُوئی آواز آئی۔ وہ دہلیز پار کر کے، زمین پر پھیلے ہُوئے جسموں سے بچتا بچاتا، جا کر جگت سنگھ کے پاس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ دیوار سے کمر ٹیک کر اُس کی پُشت کو بے اِنتہا آرام حاصل ہُوا۔

صحن میں اب سب کے سب مرد اپنی باتیں ختم کر کے وہیں پر لیٹ کر سو چکے تھے۔ دارو کے نشے نے انہیں گہری مگر بے چین نیند کی حالت میں پہنچا رکھا تھا۔ ہر چند منٹ کے بعد کوئی خواب آلود جسم ہلتا اور حلق سے ایک مختصر سی، بلند آواز نکال کے دوبارہ ساکت ہو جاتا۔ کوئی دُوسرا بدن کسمساتا، پھر بڑبڑاتا ہُوا آہستہ آہستہ خاموش ہو جاتا۔ زِندگی کے آثار صرف ساتھ والے گھر میں تھے، جہاں صحن میں ایک عورت ہولے ہولے گا رہی تھی، اور کوٹھے پر لڑکیوں کی ٹولی کی ہمت ابھی قائم تھی۔ یعقوب اعوان دیوار پر سر رکھ کر عورت کے گانے کی آواز سننے لگا۔ اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اُس کے کانوں میں آنے والی آواز کی عجیب صفت تھی۔ گیت کے بول معدوم تھے، الفاظ آواز کی لے میں تحلیل ہو چکے تھے، باقی صرف ایک اکیلی عورت کے حلق کے سُر رہ گئے تھے۔ یعقوب اعوان نے اَندازہ لگایا کہ یہ کوئی نوجوان لڑکی نہ تھی بلکہ اُدھیڑ عُمر عورت تھی، جو گانے کے لئے ڈھولک کی آرائش یا کِسی دُوسری آواز کے سہارے کے بغیر، اپنے سِینے سے ایک طویل تان کی حلاوت پیدا کر رہی تھی، جِس میں نہ رُخصتی کی بکاء تھی نہ آمد کی ترنگ، صرف ایک اِنسانی زِندگی کی خالص پُکار تھی، جیسے کہ وہ زِندگی اپنے آپ کو تن تنہا پا کر دُنیا کو اپنے وجُود کی کوفت کا پتا دے رہی ہو۔ اُسے سُنتے سُنتے یعقوب اعوان کی آنکھ لگ گئی۔ جب دوبارہ اُس کی آنکھ کھُلی تو اوس اَور سردی کی وجہ سے اُس کا بدَن اکڑ چلا تھا۔ اُس کی گردن میں ہلکا سا بل پڑ چُکا تھا، جِسے اُس نے سر گھُما گھُما کر دُور کرنے کی کوشش کی۔ گانے والی عورت کی آواز بند ہو چکی تھی۔ صرف کوٹھے پر لڑکیوں کے گروہ میں ابھی ہل جل باقی تھی اَور اِکّا دُکّا آوازیں یعقوب اعوان تک پہنچ رہی تھیں۔ رات ختم ہونے میں گھنٹہ دو گھنٹہ باقی تھے۔

یکایک یعقوب اعوان کے کان میں ایک مانُوس آواز پڑی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے جگت سنگھ کے نِیم مُردہ جسم کو جھنجھوڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جگو، جگو،" اُس نے جھک کر جگت سنگھ کے کان میں کہا۔

"تنگ نہ کر، کُوبے،" جگت سنگھ نیند میں بولا۔

"جگو اُٹھ،" یعقوب اعوان نے کہا، "اُٹھ - اُٹھ - کلونتی۔"

جگت سنگھ مشین کی کل کی مانند جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا "کلونتی؟"

"ہاں۔"

"کہاں ہے؟"

"کوٹھے پر۔"

"تُو نے دیکھی ہے؟"

"ہاں۔"

"اپنی آنکھوں سے؟"

"مجھے آواز آئی ہے۔"

"کُوبے،" جگت سنگھ اُٹھ کر بھاگا، "مذاق ہوا تو تیری چمڑی نکال دوں گا۔" دونوں صحن کے دروازے سے نکلے اور گھر کے گرد چکّر کاٹ کر عقب کی گلی میں پہنچ گئے جہاں کوٹھے کا پچھلا رُخ تھا۔

"کلونتی----" جگت سنگھ نے ہولے سے، بے اعتباری لہجے میں آواز دی۔

کوٹھے پر خاموشی ہو گئی۔

"کلونتی----" وہ ذرا اُونچی آواز میں پکارا۔

اُوپر سے کوئی آواز نہ آئی۔

"کلونتیے-----" جگت سنگھ گلا پھاڑ کر چیخا۔

اُوپر سے کلونت کور کا سر نمودار ہُوا۔ "جگو، دفعہ ہو جا،" وہ بولی۔

"کلونتی، نیچے آ آ----"

"چُپ کر جگو، میرا بھائیا دلان میں سویا ہے، جاگ پڑا تو تیری چمڑی اُتارے گا۔"

"تو پھر نیچے اُتر کے آ،" جگت سنگھ ہولے سے بولا۔

"میری جُوتی بھی نہیں آتی۔"

"تجھے کیا جن پڑ گئے ہیں کلونتیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو آج برات میں لڑکیوں سے بدمعاشی کرتا رہا ہے۔ مجھے سب پتا ہے۔"

"کلونتی، میں تو تجھے ڈھونڈ رہا تھا۔"

"جھوٹا بے شرما۔"

"کوبے سے پوچھ لے۔"

"کوبے اوانے کا بھی مجھے پتا ہے۔"

"کوبا تو مسلا ہے، جھوٹ نہیں بولتا۔ اِنہیں گناہ ہو جاتا ہے۔"

"جھوٹا بے شرما۔"

"نیچے تو اُتر کے آ۔"

"میری جوتی بھی نہیں آتی۔"

"چل جوتی ہی پھینک دے۔"

"واہ، میری نئی جوتی ہے، تیرے سر میں بھی نہیں مارتی۔"

"کلونتئے ے ے ---" جگت سنگھ پھر دھاڑا۔

"چپ کر جگو، تیری موت آئی ہے؟ میں جا رہی ہوں۔"

"اچھا جوتی تو پھینک۔ نہیں تو شور مچا دوں گا۔"

"یہ لے۔"

کلونت کور کی ایک جوتی اڑتی ہوئی آئی، جسے جگت سنگھ نے ہوا میں جھپک لیا۔

"اب ایک جھلک تو دکھا جا۔"

کلونت کور نے ہاتھ کا پنجہ پھیلا کر کھلا دکھا دیا۔

"ظالم نہ بن کلونتئے، لاچا اُٹھا کے ایک جھلک دکھا دے،" جگت سنگھ بولا،

"تیرے درشن کو آنکھیں سوکھ گئی ہیں۔"

"تیری آنکھوں پہ موتی بھی نہیں۔"

"موت کے دیکھ۔ پوتر سمجھ کے پی جاؤں گا۔"

اُوپر لڑکیوں میں کھٹ مٹ شروع ہو گئی۔ ہائے، اور آ آ، اور ہنسی کی آوازیں آنے لگیں۔ لڑکیاں کلونت کور کو اُکسا رہی تھیں، کلونت کور ہائے اور نہ نہ کر رہی تھی۔ چند لمحوں کے لئے نیم خاموشی ہو گئی جس کے اندر کھسر پھسر جاری رہی۔ پھر کلونت کور نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سَر نکال کر کہا۔

"مُوت دوں گی سچ مچ۔"

"چل مُوت۔"

"ڈینگیں مارتے ہو جھوٹے؟"

"سچ بولتا ہوں کلونتے۔"

"سونہہ دو۔"

"واہگرو کی سونہہ۔" دونوں ہاتھوں میں جُوتی تھامے، سَر آسمان کو اُٹھائے، جگت سِنگھ فریادی بنا کھڑا رہا۔ "تیرا پانی پوتر سمجھ کے پی جاؤں گا۔" میرے پیار کی ازمیش تو کر۔"

لڑکیوں کی کھٹ بٹ، ہنسی، ہلکی ہلکی چیخوں اَور شہ دینے کی آوازیں پھر اُٹھیں اَور یک دم دب گئیں۔ ایک لحظے کے بعد کلونت کور کی آواز آئی۔ "لے پھر---- سونہہ توڑی تو تیرا مُنہ کالا کروں گی۔"

دیکھتے ہی دیکھتے کوٹھے کے پرنالے سے پیشاب کی کالی لکیر دیوار پر شر شر بہتی ہُوئی نیچے گرنے لگی۔ کوٹھے پر چھ سات لڑکیوں کے سروں کی قطار نمودار ہُوئی جن کی نظریں پرنالے پر لگی تھیں۔ جگت سِنگھ نے تیزی سے بڑھ کر جُوتی کا کنارا پرنالے کی دیوار کے ساتھ دبا دیا، جس پر سے پیشاب بہہ بہہ کر جُوتی کی نوک کے اَندر جمع ہونے لگا۔ چند سیکنڈ میں پیشاب کا بہاؤ رُک گیا۔ جُوتی بمشکل بھیگ سکی تھی اَور اور چلو بھر اُس کے اَندر جمع ہو گیا تھا۔ جگت سنگ ایک قدم پیچھے ہٹا اَور جُوتی اُوپر اُٹھا کر بولا۔

"دیکھ کلونتے، قول کا پکّا ہوں۔" اُس کے ساتھ ہی وہ جُوتی کا کنارا ہونٹوں سے لگا کر غٹ سے پیشاب کا گھونٹ پی گیا۔ "آ ہا ہا---- ہا---- تیری ران کا امرت دارو سے میٹھا ہے کلونتے، اب تو نیچے اُتر کے آ----"

کوٹھے پر ہائے اَور اُوئی اَور چھوٹی موٹی ہنستی ہُوئی چیخوں کا شور اُٹھا۔ دیوار سے سروں کی قطار غائب ہو گئی اَور بھاگتے ہُوئے پاؤں دبڑ دبڑ کرتے سیڑھیاں اُتر کر صحن میں غائب ہو گئے۔

"بھینس کی طرح مُوتتی ہے،" جگت سِنگھ نے پرنالے پر پھیلتی ہُوئی کالی لکیر کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھتے ہُوئے کہا۔ پھر وہ مُردہ سی آواز میں یعقوب اعوان سے بولا، "مُوت تو حرام کی راہ ہی گیا۔ چلی گئی ہے، ماں کی۔۔۔۔" اُس نے جُوتی گلی میں پھینکی اَور وہیں پر ڈھے گیا۔ یعقوب اعوان بھی اُس کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں کے سَر چھاتیوں پر ڈھلک گئے اور وہیں بیٹھے گہری نیند سو گئے۔ نیند کی حد تک پہنچتے پہنچتے یعقوب اعوان کے کان میں ایک بار پھر اُس اکیلی عورت کے گانے کی مدھم سی آواز اُبھر کر آئی۔ مگر غنودگی کے زور میں اُسے پتا نہ چل سکا کہ یہ تان اُس کے خواب سے پیدا ہو رہی تھی یا کہ فی الحقیقت وہ عورت پچھلے صحن میں نیند سے عاری آنکھیں لئے بیٹھی گا رہی تھی۔ بیاہ کی رات اپنے آخری دموں پہ آ پہنچی تھی۔

جب یعقوب اعوان کی آنکھ کھُلی تو سُورج نِکل آیا تھا۔ جگت سِنگھ جا چُکا تھا۔ دِن چڑھنے کے باوجُود گلیوں میں کِسی آدمی، عورت یا جانور کی ہلچل دکھائی نہ دیتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے گاؤں کے باسی زیرِ زمین چلے گئے ہوں۔ چوبیس گھنٹے کے بے آرام بدَن کو اُٹھائے بھاری قدموں سے یعقوب اعوان اپنے گھر کو جا رہا تھا کہ ایک گلی پار کرتے ہُوئے اُس کی نظر گاؤں کے باہر ایک کھیت پہ جا پڑی۔ وہاں پہ ایک مجمع لگا تھا۔ لگتا تھا جیسے سارے کا سارا گاؤں نِکل کر وہاں جمع ہو گیا ہو۔ یعقوب اعوان مُنہ اُٹھا کر اُس طرف کو چل پڑا۔ لوگوں کا ہجوم ایک دائرے کی شکل میں بے آواز کھڑا تھا۔ دائرے کے اَندر ایک خیمہ، چار چھ گھوڑے، اَور چند متحرک سَر نظر آ رہے تھے۔ یعقوب اعوان ابھی کُچھ دُور ہی تھا کہ ایوب اعوان اُسے دیکھ کر مجمعے سے بھاگتا ہُوا نِکلا اَور بیٹے کو اپنے لحیم شحیم جثے کی اوٹ میں لے کر اپنے آگے ہانکتا ہُوا پیچھے کو لے چلا۔

"تو کہاں تھا نا مُراد،" وہ نیچی آواز میں بولا، "سارے گھر چھان مارے ہیں۔ چل چل، مُنہ سے کُچھ نہ بول۔"

"گھر جاؤں؟" یعقوب اعوان نے پُوچھا۔

"نہیں نہیں۔ گھروں کی تلاشی ہوگی۔ اپنے کماد میں جا کر چھُپ جا۔"

"ابا، کیا ہو رہا ہے؟"

"بات نہ کر۔ جھُک جا۔ جھُک کے چل، میرے آگے آگے رہ، اِدھر اُدھر نہ ہو، چل چل، کماد میں جا کر بیٹھ جا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی باپ بیٹا چند قدم ہی گئے ہوں گے کہ پیچھے سے ایک پولیس کا سپاہی دوڑتا ہُوا آکر اُن کے آگے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے جھُک کر چلتے ہُوئے یعقوب اعوان کو گردن سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا۔

"بچہ معذور ہے حوالدار صاب،" ایوب اعوان نے سپاہی کی منت کی، "اِس کو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا، کمر سیدھی نہیں کر سکتا، پیدائشی نقص ہے۔ معذور ہے حوالدار صاب، میرا ایک ہی بیٹا ہے۔"

"سب پتا چل جائے گا چوہدری،" سپاہی بولا، "معذور ہے تو ڈاکٹری کے بعد وصول کر لینا۔" وہ یعقوب اعوان کو بازُو سے پکڑ کر چلاتا ہُوا لے گیا۔

"اسے بخار بھی آتا ہے حوالدار صاب،" ایوب اعوان نے نااُمیدی کی حالت میں آخری کوشش کی۔ "ڈاکٹر صاب کو بتا دینا۔ میرے لائق جو خدمت ہو میں تیار ہوں۔"

ڈاکٹری میں یعقوب اعوان فٹ نِکلا۔ بھرتی کرنے والے قافلے نے علی الصبح اچانک گاؤں میں پہنچ کر خیمہ لگا دیا تھا۔ سرکردگی ضلع کا انگریز افسر کر رہا تھا۔ باقیوں میں ایک ڈاکٹر اَور اُس کا عملہ، محکمہ مال کا پٹواری اَور ذیلدار، اَور تھانیدار کے ہمراہ پولیس کی ایک پوری گارد تھی۔ اِس کے علاوہ جہان آباد کا مَلک عالم جہاں اعوان، جو برادری کا بڑا جاگیردار تھا، انگریز افسر کے ساتھ ساتھ تھا۔ مَلک عالم جہان کے باپ صوبیدار جہاں خان کو انگریز حکُومت کی جانب سے مُلک میں مُختلف بغاوتیں دبانے کے صلے میں سند، تمغہ، اَور پنشن کے علاوہ بار کے علاقے اَور سندھ میں ملا جلا کر چالیس مربع غیر آباد زمین عطا کی گئی تھی۔ یہ زمین اُس نے آباد کرنے کی بجائے اپنے علاقے میں جہاں کا وہ رہنے والا تھا، پرائیویٹ مالکان سے معاملہ طے کر کے آٹھ مُربعے زرخیز زمین کے بدلے میں دے دی تھی۔ یہاں اُس نے جہان آباد نامی گاؤں کی بنیاد ڈالی تھی۔ صوبیدار جہان خان اَور اُس کی اولاد، گو پنجاب کے بڑے زمینداروں میں شُمار نہ ہوتے تھے، مگر برادری اَور تعلیم کی بنا پر اثر ورسُوخ میں دُور تک پہنچ رکھتے تھے۔ ضلع کی حد تک ہر آنے جانے والے افسر کے ساتھ اُن کا میل جول رہتا تھا۔

گاؤں سے صرف چند نوجوان لڑکے دستیاب ہو سکے تھے، جو ڈاکٹری کے لئے ننگے بدَن، صرف جانگیئے پہنے ایک قطار کے اَندر سرد ہوا میں کھڑے کپکپا رہے تھے۔ جب ڈاکٹر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُن کے جانگیئے گرا کر معائنہ کرنے لگا تو لڑکوں نے مزاحمت کی۔ انگریز افسر نے قریب جا کر ہاتھ میں پکڑے ہُوئے بید کی مدد سے ایک لڑکے کا جانگیہ کمر سے نیچے کیا۔ "ڈاکٹر اِس کو،" وہ بید کی نوک سے لڑکے کے آلہ تناسل کو اِدھر اُدھر ہلاتے ہُوئے اُردو میں بولا، "کھا نہیں جائے گا۔ ڈر مت کرو۔" ڈاکٹری کے بعد اُن کو اِسی طرح عریاں کھڑے رکھا گیا جب کہ دو گھنٹے تک ایک حکومتی اہلکار اُن کے مُختلف کوائف درج کرتا رہا۔ ساتھ ہی اُن کے والدین کی ملکیتوں کی تفصیل معہ رجسٹری وخسرہ نمبر لکھے گئے اَور تنبیہہ کی گئی کہ اگر لڑکے اگلے روز فلاں فلاں جگہ پر حاضر نہ ہُوئے تو قانون کے مطابق جائیدادیں ضبط کر لی جائیں گی۔ انگریز افسر برجس پہنے، اپنا بید ہاتھ میں لہرا کر اُردو بول بول کر گاؤں کے لوگوں کو دھمکیاں دے رہا تھا۔

"بھاگ گئے۔ چھُپ گئے۔ حرامی۔ تُمہارا گنا کا کھیت آگ لگائے گا۔ گھر بار منجی پیڑھی اُٹھا لے گا۔ نکالو لڑکا لوگ، سرکاری نوکری میں پیسا ملے گا، اِنعام اَور تمغہ ملے گا۔۔۔۔" پھر وہ عالم جہاں اعوان سے مخاطب ہوا، "عالم،" وہ بولا، "ہم تُمہارے سے کھُش نہیں ہے۔ تُم نے بولا پچاس آدمی اَور دس گھوڑا دو گے۔ اِدھر بس آٹھ لڑکا لوگ نِکلا۔"

"صاحب بہادر،" عالم جہاں اعوان نے سِینے پہ ہاتھ رکھ کر کہا، "ہم وعدے کے مطابق دے گا۔ ابھی اَور بہت جگہ ہیں۔ ہم بندے پُورے کرے گا اَور دس گھوڑے اپنے پاس سے دے گا۔"

"ورنہ تُمہارا گھوڑی کا مُربع واپس لے گا۔" افسر نے دھمکی دی۔

پہلی جنگ عظیم شُروع ہو چکی تھی۔ یعقوب اعوان اُس وَقت سترہ برس کا تھا۔ گاؤں سے بھرتی ہونے والے آٹھ لڑکوں میں جگت سِنگھ شامل نہ تھا اَور یعقوب اعوان سوچ رہا تھا کہ جگُو کہاں جا کر چھپا ہو گا۔ جَب بھرتی والے چلے گئے تو جگت سِنگھ نے آ کر بتایا کہ وہ کِسی کھیت میں نہیں بلکہ اپنے کھلیان میں توڑی کے ڈھیر کے اَندر چھُپ کر بَیٹھا رہا تھا۔ اُس کی ناک کے اَندر توڑی کے باریک تیلے بھر گئے تھے جِن کی وجہ سے وہ مسلسل چھینکیں مار رہا تھا۔ ایک روز کی مہلت کے بعد جَب نوجوان گاؤں سے رُخصت ہوئے تو ماؤں نے بین کیئے، بہنوں نے سِینے پیٹے، اَور گاؤں کی ایک ایک عورت نے آنسو بہائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یعقوب اعوان کے دِل کو کوئی بے چینی نہ لگی۔ اُس وَقت اُسے عِلم نہ تھا کہ وہ تین سال پہ محیط ایک اَیسے سفر پہ روانہ ہو رہا تھا جِس کے خاتمے پر اُس کی زِندگی کا رُخ بدَل چُکا ہو گا۔

اب اٹھاون سالہ بُڈھے کو آخری لمحوں میں اپنی جوانی کا وَقت یاد آیا، جو یہ سب مناظر اپنے دامن میں سمیٹے چشم زدن میں اُس کی آنکھوں کے سامنے سے گزُر گیا۔ اُس کا لہو جو اُس کے پاؤں کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر کمر تک آچُکا تھا، ایک لحظے کے لئے چھلکا مگر دُور تک مار نہ کر سکا۔ یعقوب اعوان نے آنکھیں میچ لیں۔

آگے بہت سے نظارے ایک کے بعد ایک، دوڑتے بھاگتے ہُوئے گزُر گئے۔ فوج کی مشقیں، بحری جہاز کا سفر، ڈبّوں کا جما ہُوا مزیدار میٹھا دُودھ، اجنبی مُلک کے میدانِ جنگ، بارُود کی بُو اَور دماغ پھاڑنے والے دھماکے، خندقیں: سردی، خُون، خُون اَور کیچڑ اَور سردی۔ سالوں سال چلتا ہوا یہ سلسلہ ایک لمحے کے اَندر سکڑ کر ایک اَور خندق کے منظر پہ جارُکا۔ یہ یعقوب اعوان اَور اُس کے ساتھیوں کی آخری خندق تھی۔ اِس خندق میں رات کے بارہ بجے، دشمن کی تاک میں بیٹھے بیٹھے، اُس کی جان حلق میں آکر پھنس گئی تھی۔ اُوپر کی سانس اُوپر اَور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ چند ہی سیکنڈ کی تگ و دو کے بعد یعقوب اعوان ہار کر جی چھوڑ بیٹھا۔ کیچڑ کی دلدل میں گِرتا پھسلتا، مَوت کے خطرے سے بے نیاز ہو کر وہ خندق سے نِکلا اَور پیچھے کی جانب بھاگ کھڑا ہُوا۔ ابھی چند قدم ہی چلا ہو گا کہ ٹانگیں جواب دے گئیں۔ سینہ اَیسے تھا جیَسے منوں بوجھ تلے دبا ہو، اَور اَندر کچلی ہوئی سانس ہَو کہ ہَو کہ ختم ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے رات کی سیاہی میں پیلے اَور سُرخ رنگ کی پھُلجڑیاں چھُوٹ رہی تھیں۔ کِسی کے کھیت کی گِیلی مٹّی پہ چت لیٹے، ایک اجنبی آسمان کو ٹھہری ہُوئی نظروں سے دیکھتے ہُوئے اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے سوچا کہ نہ بدَن پہ زخم آیا نہ خُون نِکلا اور مَوت نے آکر اُس کا سینہ دبوچ لیا ہے۔ "ہائے ماں،" اُس نے فریاد کی۔

جب وہ ہوش میں آیا تو اُسی طرح چت لیٹا تھا اَور ایک وسیع و عریض سفیدی اُس کی آنکھوں کے سامنے پھَیلی تھی۔ اُس کے ذہن کی حالت اَیسی تھی کہ جیَسے ایک سفید، بے داغ سرزمین ہو جِس پہ یاد کا نام و نشان نہ ہو اَور عُمر کا کوئی سُراغ نہ مِلتا ہو۔ کئی لمحوں تک وہ اِسی سوچ میں رہا کہ وہ کون ہے اَور کہاں پر ہے۔ اُس کا خیال ایک مقام پہ مُعلّق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ جِس شے نے آخر اُس کی سوچ کو ٹھوکا دیا وہ اُس کی سانس تھی جو اُس کے سِینے میں پھنسی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ایک لمبی سی کانٹے دار شاخ تنگ سے سوراخ میں سے گھسیٹی جا رہی ہو۔ سانس کی آمد و رفت جو اَن دیکھی اَور اَن جانی صُورت میں رواں رہتی تھی، اب درد کا کاروبار بن چکی تھی جو پھیپھڑوں کو چھلنی کیے جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ، اُس کی یاد عَود کر آئی اَور اُس کھیت کی گیلی مٹّی کو اُس نے اپنے ہاتھوں پہ محسوس کیا جہاں لیٹے لیٹے، سیاہ آسمان پہ اُس نے اپنی مَوت کے نقشے کی جھلک دیکھی تھی۔ اُس کی آنکھوں کے آگے سفیدی ہسپتال کے چھت کی تھی اَور سِینے کا درد وہ روگ تھا جو اُس کی جان کے ساتھ عُمر بھر رہنے والا تھا۔

نِیم بیہوشی کی حالت میں ہی اُسے فیلڈ ہسپتال سے بڑے ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اُسے عِلم ہوا کہ وہ، اَور اُس کے ساتھ لیٹے ہُوئے بیسیوں لوگ دشمن کی زہریلی گیس کے حملے کا شکار ہُوئے تھے جِس میں نہ بُو تھی نہ رنگ، مگر جو سانس کی نالی میں پتھر بن کر بَیٹھ گئی تھی۔ کئی مہینوں کے علاج کے بعد اُسے چند روپوں کی پنشن پر گھر بھیج دیا گیا۔

گاؤں سے جانے والے آٹھ لڑکوں میں یعقوب اعوان اکیلا بچ کر آیا تھا۔ اُس کی آمد پر دُوسرے سات مرنے اَور جنگ میں لاپتہ ہونے والوں کے کنبوں نے اُس کے سَر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد از سرِ نو ماتم کیا تھا۔ یعقوب اعوان کا سینہ اِس درجہ کمزور ہو چُکا تھا کہ وہ کاشت کاری کی مُشقّت کے قابل نہ رہا تھا، اَور دِن رات کھانسی کے شدید جھٹکوں کی وجہ سے سانس دھونکنی کی صدا پیدا کرتی تھی۔ خُوش قسمتی سے ایوب اعوان کی جان میں دم خم موجُود تھا اَور جب تک رہا اُس نے بیٹے کو ہتھیلیوں پہ اُٹھائے رکھا۔

گاؤں واپس پہنچ کر یعقوب اعوان نے سب سے پہلے جگت سِنگھ کا پتا کیا۔ قریب المرگ پُتلیوں کے سامنے اب اُس رات کا منظر آتا ہے جب بھگت سِنگھ نے یعقوب اعوان کو اُس کے دوست جگت سِنگھ کا قِصّہ سنایا تھا۔ سردیوں کی رات تھی۔ یعقوب اعوان کمبل اوڑھے، ہَو کے بھرتے ہُوئے سِینے کو سنبھالے، بھگتْ سِنگھ کے دالان میں چارپائی پہ بَیٹھا تھا۔

"جگُو خرمست تھا،" بھگت سِنگھ بولا، "ہم نے کہا کلونتی کو نکال کر لے جا اَور انبالے بھائی جگندر سِنگھ کے پاس چلا جا۔ مگر وہ کبیرے سے نہ نِکلا۔ تُو تو لام پر چلا گیا تھا یکُوب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوان، تیرے پیچھے ایک سال کے اندر جگو نے ایسی کاٹھی نکالی کہ کیکر کے درخت میں اُس کا سر چھپتا تھا۔ پر اُس کی عقل پیروں میں اُتر آئی تھی۔ واردات سے دو دِن پہلے اُس نے اپنے دھان کے کھیت کو جلا دیا۔"

"وہ کیسے بھائیا جی؟"

"میں اِسی جگہ پر بیٹھا ہُوا تھا جہاں اب تُو بیٹھا ہے کہ میری نظر میں دُھوئیں کی ایک لاٹ آئی جو آسمان کو جا رہی تھی۔ باہر نِکل کر دیکھا کہ اپنی تیار مونجی دھڑ دھڑ جل رہی ہے۔ سارے گاؤں نے بالیاں بھر بھر کے پانی پھینکا تو ایک کونا ہی ٹھنڈا ہُوا۔ اندر سے جگو کلونتی کی بانہہ پکڑے ہوئے نِکل کے آیا۔"

"پھر بھائی جی؟"

"پھر کیا ہونا تھا؟ سارا کھیت آگ میں جل کر کوئلہ ہوگیا۔ زمین کی مٹی تک کالی ہوگئی تھی۔ وہ تو خیر ہُوئی کہ اِدھر اُدھر کے کھیت خالی تھے، وہ آگ پکڑ لیتے تو گاؤں پہ فاقے آجاتے۔ تجھے پتا ہے کہ ہم تو سب سے پہلے بیائی کرتے ہیں۔ ہماری نئی فصل سب سے پہلے تیار ہوتی ہے اور بھاؤ اونچا لگتا ہے۔ جگو نے سب غرق کر دیا۔ میں نے پُوچھا کہ یہ تُو نے کیا کسب کیا، تو بولا کہ بھائیا، میں نے تو اُس کا مُنہ دیکھنے کو تیلی جلائی تھی۔ گرو کی مار، مُنہ دیکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ خرمست کا بچہ بولا بھائیا، تجھے اِن باتوں کی کیا سمجھ؟ سمجھ کیوں نہیں، میں نے کہا، بیاہ کر کے لایا ہوں کہ نہیں؟ کہنے لگا اُس سے کیا ہوتا ہے، میں تو کلونتی پر عاشق ہُوں، میرا دِل چاہا تھا اُس کا مُنہ دیکھوں۔ اب تو بتا، خرمست نہیں تو کیا تھا؟"

"پھر بھائیا؟"

"جب وہ دونوں کھیت سے بھاگ کر نِکلے تو آگے آدھا گاؤں کھڑا تھا۔ بے انت سِنگھ نے مُنہ سے کوئی بات نہ کی، بس کلونتی کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے گیا۔ مجھے اُسی وقت شک ہوگیا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ جگو اور کلونتی کا سب کو پتا تھا، بات طریقے سلیقے میں رہتی تو کام چلتا جاتا۔ مگر اُس رات کو سارے گاؤں کے آگے بے انت سِنگھ کی پگ اُتر گئی۔ میں نے جگو سے کہا چل امبرسر ہی چلا جا، تھوڑے دِن بھاپے کر نیل سِنگھ کے پاس گزار آ۔ خرمست تھا، کِسی کی ایک نہ سنتا تھا۔ تیسرے دِن سویرے میں باہر نِکلا تو اُسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سڑے ہُوئے کھیت میں جگُو اَور کلونتی دونوں کٹے پڑے تھے۔ گاؤں کے اَندر کِسی بشر نے اُن کی آواز بھی نہ سُنی تھی۔"

"بے انت سِنگھ پکڑا گیا؟"

"ہاں۔ مہینہ حوالات میں مار کھا کر گھر آگیا۔ پکّا نِکلا، کچُھ بکا نہیں، کوئی ثبوت نہ نِکلا۔ تجُھے پتا ہی ہے، گاؤں میں کون گواہی دیتا ہے؟"

"پھر، بھائیا؟"

"پھر کیا ہے؟ دیکھتا نہیں، آج دو سال ہو گئے ہیں، پگ کو بل نہیں دیا۔ نوہ پر لگا ہُوں، جِس دِن ہاتھ پڑ گیا پار کر دوں گا۔ تیرا بھی یار تھا، جَب تو گیا تُو جگُو ہر روز تجُھے یاد کرتا تھا۔ مگر دکھائی دیتا ہے کہ تو لام سے نکارہ ہو کر آیا ہے۔ اب یہ میرا کام ہے۔ ٹھیک ہے، غلطی جگُو کی تھی، میں کہتا ہوں مُنہ دیکھنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہاں بھائیا، کیا ضرورت تھی۔"

"مگر بدلہ تو بدلہ ہے، یکُوب اوان۔"

"ہاں، بھائیا۔"

رات اِس قدر سرد تھی کہ درختوں کی کوکھ چٹاخ پٹاخ ہو رہی تھی اَور کہرہ پیروں تلے کڑکڑاتا تھا۔ کِسان آلوؤں کی فصل کو کھیسوں ترپالوں سے ڈھانپ رہے تھے۔ یعقوب اعوان کمبل لپیٹے، کپکپاتا ہوا، گاؤں کے کنارے کھڑا اس کھیت کو دیکھ رہا تھا جہاں کبھی دھان کی ایک بھری فصل جگت سِنگھ کے عشق کی آگ میں جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ اُس کھیت میں اب کماد کی فصل کھڑی تھی۔ دیر تک وہ وہاں کھڑا بھڑ بھڑ کرتی آگ کے تصور کو دماغ میں لئے جگت سِنگھ کے خُوش دل چہرے کو تلاش کرتا رہا جو اب ہمیشہ کے لئے فرار ہو چُکا تھا۔ پِھر اچانک اُسے کھانسی کا ایک جاں کش دورہ پڑا اَور وہ وہاں سے لوٹ آیا۔

پھر زمانے نِکل گئے---- ایک تیز رفتار سفر کے نظاروں جیسی دُھند، سردیوں کی شاموں کا دُھواں، گرمیوں کی دُھوپ کے غبار، بے انت سِنگھ کا دِن دیہاڑے قتل، بھگت سِنگھ کی قید، سات سال کے بعد رہائی اَور اُس کی پگڑی کا نویلا بل، موسموں کے تغیر، یعقوب اعوان کے چھلنی پھیپھڑوں کی جلن، کاشت کاری میں اس کے ہاتھ پاؤں کی بیکاری، ایوب اعوان کی محنت۔ بارہ برس کا عرصہ ایک لحظے کی گرد میں اُڑ گیا۔ اِن سارے سالوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یعقوب اعوان باقاعدگی کے ساتھ ہر روز صُبح سویرے اپنے کھیتوں کو جاتا اَور شام کو واپس آتا۔ کھیتوں پر وہ کبھی یہاں اَور کبھی وہاں، اکڑوں بیٹھا باپ کو دِن رات زمین سے خوراک پیدا کرنے کی مُشقّت کرتے ہُوئے دیکھتا رہتا۔ زہریلی گیس سے اُس کا سینہ بھر چُکا تھا اَور اُس کے سامنے یعقوب اعوان نے جی چھوڑ دیا تھا۔ سال در سال زِندگی کی اِسی ناچاقی کے اَندر گزُر گئے۔ اُس کی ماں اپنی بہو کی خواہش کرتے کرتے اللہ کو پیاری ہو گئی۔ علاقے میں اِن کی رشتہ داری دُور دُور کی تھی اَور مناسب اَور میسّر لڑکیوں کی تعداد کم تھی۔ جو دستیاب تھیں اُن کے وارث یعقوب اعوان کی کمزور صحت کے پیشِ نظر رشتہ دینے پر رضامند نہ تھے۔ ایک بار یعقوب اعوان بھگت سِنگھ کے ہمراہ اُس کے سُسرال ڈُھڈّی والے گیا تو راجپوت مُسلمانوں کے گھر کی ایک چھریری لڑکی سے اُس کی آنکھ لڑ گئی۔ چھاتی کے زہر کے باوجُود، جوانی میں یعقوب اعوان جَب اپنی سُرخ گیلسوں والی خاکی رنگ کی فوجی پتلون اَور پالش سے چمکائے ہُوئے کالے بوٹ اَور جرابیں پہنتا اَور خاکی قمیض پر جنگی سروس کی فیتیاں لگاتا تو گاؤں کے ماحول میں اُس پہ بانکپن کا ایک اَنداز نِکلتا تھا۔ ایوب اعوان اپنی غرض لے کر ڈُھڈّی والے گیا تو نامُراد لوٹا۔ آخر جَب یعقوب اعوان چونتیس برس کا ہو گیا اَور ایوب اعوان کی بینائی جواب دینے لگی تو اُس نے اپنے بیٹے سے کہا۔

"لڑکی تیرے ساتھ نِکل آئے گی؟"

"ہاں، ابا۔"

"نکال کے لے آ۔"

"ابا؟؟؟"

"تُو کام کاج کے لائق تو نہیں، پر گھوڑے کی سواری تو کر سکتا ہے ناء؟"

"ہاں، ابا۔"

"اور بندوق بھی چلا لیتا ہے۔"

"ہاں ابا۔"

"تو پھر جا،" ایوب اعوان بولا، "دیکھا جائے گا۔"

اب وہ بجھتی ہُوئی آنکھیں دیئے کی لاٹ کی طرح جھپاکا مار کے ایک لحظے کے لئے چمک اُٹھیں، اَور اُس لحظے میں وہ منظر سمٹ آیا جَب زمین پہ اِس قدر تاریکی چھائی تھی کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندہ کسی شجر کے سائے سے بھی ہلکا نظر آتا تھا۔ رنگیلی کی جوان بیٹی چنبیلی نے بیس میل کا سفر ایک گھنٹے کے اندر اُس روانی سے طے کیا گویا دِن دیہاڑے بھاگ رہی ہو۔ یعقوب اعوان نے محسوس کیا جیسے چنبیلی کو اس بات کا عِلم ہو کہ یہ سفر راز اور رفتار کی مہم تھی۔ اُس کا کھُر ایک کنکر پہ نہ اٹکا تھا، اور ٹاپوں کی آواز ایسی ہلکی کہ جیسے روئی کے گالوں پہ چل رہی ہو۔ چنبیلی گو اُس نے اپنے ہاتھوں میں پالی تھی، مگر اِس رات پہلی بار یعقوب اعوان کو پتا چلا کہ خصلت والا اصیل جانور کیسے اپنے مالک کے جسم سے اُس کے خیال کی پہچان کرتا ہے۔ اب ڈوبتی آنکھوں میں یاد کے ایک لمحے کے اندر صرف دو منظر سب سے آگے کھڑے تھے۔ ایک چنبیلی کی رفتار، اور دُوسرا زینب کا فرار۔

ہزار راتوں کی ہم بستری کی یاد اُس کے دِل میں ایک دُھندلکے کی شکل میں تھی۔ مگر اِن خلوتوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ صرف کھُلے آسمان کے نیچے اُس اوّلین خلوت کی اصلیت اُس کی آنکھوں کے سامنے رہ گئی تھی۔ سفیدے کے نو عُمر پیڑ کا سا زینب کا لچک دار بدَن جب اپنی کچی دیوار ٹاپ کر یعقوب اعوان کے پیچھے چنبیلی کی پُشت پر آجما تھا، اور گھوڑی کی پسلیوں کے گرد اپنی رانوں کی گرفت کو تنگ کر کے زینب نے یعقوب اعوان کی کمر کو اپنے بازُوؤں کے حلقے میں لیا تھا تو تینوں بدَنوں کی یکسوئی کا یہ ایک ایسا ائل منظر تھا جیسے پتھر سے کاٹ کر اپنے مقام پہ نصب کر دیا گیا ہو اور کبھی اپنی جڑوں سے نہ ہلا ہو۔ اپنے دروازے پہ پہنچ کر چنبیلی رات بھر میں پہلی بار ہنہنائی تھی، جیسے اپنے سفر کے خاتمے پر نہیں بلکہ مالک کی کامیابی پر خُوشی کا اظہار کر رہی ہو۔ صحن کی دیوار کے اندر ایوب اعوان دو نالی بندوق میں کارتُوس بھرے، تاک لگائے بیٹھا تھا۔

"یہ لے،" وہ بیٹے کو بندوق تھماتے ہُوئے بولا، "میری نظر کام نہیں کرتی۔ تو اِسے سنبھال۔" اور خود جا کر اندر سے نوکہ اُٹھا لایا تھا۔ دونوں باپ بیٹا دیوار کے ساتھ کھڑی بانس کی سیڑھی کے پاس رات بھر چوکس بیٹھے رہے۔

دن چڑھے جب زینب کے وارث، ہتھیاروں سے لیس ہو کر، ہوائی فائر کرتے ہوئے پہنچے تو گاؤں والوں کو واقعے کا عِلم ہو چُکا تھا۔ کبیرے کے سِکھ اگلے گاؤں دستگیر چک کے مُسلمان راجپوتوں کے بڑے بُوڑھوں کو ساتھ لئے بیٹھے انتظار میں تھے۔ اُنہوں نے حملہ آوروں کو روکا، منتیں سماجتیں کر کے اُنہیں تھام کے رکھا اور تصفیئے پر راغِب کرنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوششیں شروع کیں۔ اِسی دوران میں ایوب اعوان نے بیٹے کے ہاتھ سے بندوق چھین کر دو ہوائی فائر کر دیئے۔ نمبرداروں کی ایک پارٹی اُس کے پاس بھی پہنچ گئی۔ زینب کے وارثین کو سمجھایا گیا کہ لڑکی نِکل آئی ہے، اب بہتری اِسی میں ہے کہ اِس کا نکاح کر دیا جائے۔ آخر لمبی چوڑی بات چیت کے بعد تصفیہ اِس پہ ہوا کہ زینب کو اُن کے حوالے کر دیا جائے، اَور نکاح کی تاریخ مقرر کر کے معاملے کو شرعی حیثیت دے دی جائے۔ زینب کے وارث گو سِکھوں کے گڑھ میں رہنے والے مُسلمان راجپوت اَور نسلوں سے اپنی حیثیت کی حفاظت کرنے والے بہادر آدمی تھے، مگر شریف لوگ تھے، مان گئے۔

آگے کے ایک لمحے نے ایک سال کو عبور کیا اَور یعقوب اعوان کے پلوٹھی کے بیٹے اعجاز اعوان کی پیدائش پہ جا کر رُکا۔ اِس وَقت گردن موڑنے کی یعقوب اعوان میں سکت نہ تھی، مگر آنکھیں گھُما کر اُس نے اپنے بیٹے کو دیکھا جو اُس کا ہاتھ پکڑے چارپائی سے لگ کر بیٹھا تھا، جیسے باپ کو روک کر رکھنا چاہتا ہو۔ اِس ایک لحظے میں یعقوب اعوان نے اپنے باپ ایوب اعوان کو ایک کہنہ جڑ والے گھنے درخت کی مانند زمانے کی ہوا کے آگے گِرتے اَور جہان فانی سے کُوچ کرتے، اپنے بیٹے اعجاز اعوان کو بچپن اور لڑکپن کی حدود سے نِکل کر نوخیز جوان بنتے اَور کاشتکاری سے ہٹ کر تعلیم کی جانب راغِب ہوتے، اپنی زمین کو ٹھیکے پر چڑھتے، اَور ایک ہی اولاد کے بعد زینب کی کوکھ کو آہستہ آہستہ سوکھتے ہُوئے دیکھا۔ اب اُن آنکھوں میں جھپکنے کی طاقت بھی زائل ہوتی جا رہی تھی۔ اگلی ساعت میں جو نقشہ نظروں کے آگے آ کر ٹھہرا اُس میں ایک زمانہ خیز وَقت کی اُلٹ پلٹ کا سماں تھا۔

مُلک کے بٹوارے کا موقع آن پہنچا تھا۔ سال چڑھا تو افواہیں پھیلنی شُروع ہو ئیں کہ آبادی کی ادل بدَل شُروع ہو چکی ہے۔ پھر فساد اَور مار دھاڑ کی کہانیاں کانوں تک پہنچنے لگیں۔ کبیر سِنگھ والا میں اگرچہ مُسلمانوں کا ایک ہی گھرانا تھا، اَور اُس میں بھی اب فقط تین فرد رہ گئے تھے، مگر جدی پشتی رہائش کے مقام پر ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ یعقوب اعوان کو ایک پل کے لئے بھی اُس بات کا گمان نہ ہوا کہ وہ نقل مکانی کرے، یہاں تک کہ جلسے جلوس اَور نعرے امرتسر کے شہر سے نِکل کر نواح کے قصبوں اَور گاؤں میں سرائیت کر آئے۔ پھر پکّی سڑکوں پر ہجرت کرتے ہُوئے بدحال قافلے مشرق سے مغرب اَور مغرب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے مشرق کو آتے ہُوئے نظر آنے شرُوع ہُوئے۔ عورتوں بچوں کی چیخ و پکار اَور اِنسانی خُون کے نظاروں نے ہوا کا رُخ بدَل دیا۔ اِس ہوا نے آگ کے شعلے بھڑکائے جو خُون اَور آہ و بکاء کے طوفان میں شامل ہوگئے۔ آدمی کی سرشت میں چھپی ہُوئی دیوانگی اِس طرح زمین پر پھیلی کہ اِنسان اَور حیوان دونوں کا گزُر مشکل ہوگیا۔ یعقوب اعوان کو یاد آیا کہ اُس عجیب وَقت میں جانوروں کے اَندر ایک تبدیلی دیکھنے میں آئی تھی۔ بڑے بڑے خُونخوار کتے، مُنہ زور گھوڑے اَور اڑیل مویشی مُنہ اُٹھا کے آسمان کو دیکھتے اَور گردن موڑ لیتے تھے۔ ان کی بے زبان نظروں میں مُستقِل کھٹکا در آیا تھا اَور چال میں پہلو تہی کا اَنداز آگیا تھا، جیسے ان پہ عیاں ہوگیا ہو کہ آدمی کے اَندر ایک جان لیوا بیماری کی وبا پھیل گئی ہے، اَور جانور کِسی ان دیکھی راہ فرار کی تلاش میں ہُوں، آدمی کو قریب آتے دیکھ کر بدک جاتے اَور آنکھوں میں سہم لئے پرے سرکنے لگتے۔ ایک ایسا وَقت آیا کہ گویا ان بے زبانوں نے اپنی چھٹی حس سے اِس اِنسانی اُفتاد کی پہچان کرلی اَور زباندراوں کی برادری کو اچھوت قرار دے دیا۔ آخر وہ دِن بھی آیا جَب بھگت سِنگھ نے آکر کہا۔

"فسادی ہمارے گڑھ تک آ پہنچے ہیں۔ اُٹھ کے ہمارے ڈیرے پر آجا۔"

یعقوب اعوان کی چھاتی کمزور تھی، مگر وہ اپنے باپ کے خُون کی بہادری سے عاری نہیں تھا۔ کارتُوسوں کی پیٹی پر ہاتھ مار کر بولا، "جب تک یہ خالی نہیں ہوجاتی، میں اپنی زمین سے پیر نہیں اُٹھاؤں گا۔"

مگر اگلے روز بھگت سِنگھ، اُس کے چچا اَور بھائی یعقوب اعوان کے گھر پہ آکر بیٹھ گئے۔ "کبیرے میں تیرا ایک ہی گھر ہے،" جسونت سِنگھ بولا، "سب کی نظر میں ہے۔ اپنی عورت کی حالت دیکھ۔ ضِد نہ کر، ہمارے ساتھ چلا چل۔"

یعقوب اعوان کو پہلی بار ان حالات میں اپنی بیوی کا خیال آیا۔ زینب کے بدَن میں ایک معجزہ رونما ہوچُکا تھا۔ پندرہ برس کی خُشک سالی کے بعد اچانک اُس کی کوکھ ہری ہوگئی تھی۔ آٹھ ماہ کے عرصے سے اُس کے پیٹ میں بچہّ پَل رہا تھا۔ سینتیس برس کی عمُر میں اُسے حمل ٹھہرا تھا، اَور جلد کے اَندر پانی کے رُکاوَ کی وجہ سے اُس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ پیدائش کی گھڑی قریب آرہی تھی اَور صُورت یہ تھی کہ وہ پَل کے پَل کو اُٹھ کر کام کاج کرتی اَور پھر چارپائی پہ ڈھیر ہو جاتی۔ یعقوب اعوان کی زِندگی کی یہ خُوشی ابھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پروان بھی نہ چڑھی تھی کہ فساد کا جھکڑ ان کے سروں پہ چلنا شروع ہو گیا تھا۔ جان اور مال کی حفاظت کے جھگڑے میں زینب کی فکر اُس کے ذہن سے قریب قریب اُتر چکی تھی۔

"زمانہ بدل گیا ہے، یکوب،" ارجن سنگھ نے کہا، "اڑیل نہ بن۔ آنکھ کھول کر دیکھ، اپنے ہی گاؤں کے حرام خور فسادیوں سے مل گئے ہیں۔ چل اُٹھ، خون خرابہ نہ کرا۔"

آدمی کی رعایت مل گئی، مگر خون خرابے کی نہ ملی۔ یعقوب اعوان زینب اور اعجاز کو لے کر گھر سے نکلا تھا کہ بلوائیوں کی ہاہا کار سنائی دینے لگی۔ ابھی اعوانوں کا قافلہ بھگت سنگھ کے ڈیرے پہ آ کر بیٹھا ہی تھا کہ پیچھے دھوئیں میں لپٹے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ طویلے سے بھینس اور بچھڑی کے ڈکرانے کی اذیت ناک آوازیں نکلیں اور اُٹھتے اُٹھتے ایسے شور کی صورت میں بدل گئیں جو پندرہ سالہ اعجاز نے پہلے کبھی نہ سنا تھا۔ مویشیوں کی چیخیں سارے گاؤں پہ چھا گئیں۔ یعقوب اعوان بھاگ کر اپنے گھر کو پہنچنے کے لئے زور مار رہا تھا، مگر بھگت سنگھ اور اُس کے چچا کی گرفت اُسے ہلنے نہ دیتی تھی۔ آخر وہ ہار کر وہیں کھڑا ویران نظروں سے جلتے ہوئے گھر کو دیکھنے لگا۔ اب جلتے ہوئے گوشت کی بو گاؤں میں پھیلتی جا رہی تھی۔ اِتنے میں انہیں گلی کے اندر گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ اعجاز نے ٹاپوں سے پہچان لیا کہ یہ زور آور تھا۔ چنبیلی کا بیٹا یعقوب اعوان کے ہاتھوں میں اُس رات پیدا ہوا تھا جس رات کو چنبیلی نے اُسے جنتے ہوئے اپنی جان دے دی تھی۔ کسی کو اُمید نہ تھی کہ یہ بچہ جان میں رہے گا۔ یعقوب اعوان نے اُسے اپنی بھینس نیلی کی بچھڑی کے ہمراہ نیلی کے دودھ پہ لگا دیا تھا۔ نیلی کی مامتا نے دو دِن کے اندر اس یتیم بچے کی زبان کو اپنے تھن پر رکھ لیا تھا۔ جب مہینے بھر کے بعد ہی بچہ صحن میں کلکاریاں بھرنے لگا تو اُس کا نام زور آور رکھ دیا گیا۔ زور آور نے اپنے نام کی لاج رکھی، ایسا زور آور نکلا کہ اعجاز کو پیٹھ پہ بٹھائے بٹھائے ایک جست میں دیوار پھلانگ جاتا تھا۔ زور آور کو اعجاز نے اپنے ہاتھوں میں پالا تھا۔ اُسے آتے دیکھ کر اعجاز کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ قریب آیا تو اعجاز نے اُسے اپنے مخصوص انداز میں چمکارا۔ اپنی وحشت میں اُڑتے اُڑتے زور آور نے آواز پہچان لی اور چاروں پاؤں زمین میں گاڑ دیئے۔ اعجاز اُس کی رسّی پکڑ کر بھگت سنگھ کے احاطے میں لے آیا، جہاں لالٹین لٹکی تھی۔ اُس وقت اُس کی نظر زور آور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پیٹ پر پڑی۔ بلم کے ایک وار سے پھل پیٹ کے آر پار ہو گیا تھا اَور دونوں گھاؤ سے خُون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ زور آور کی ٹانگوں میں خفیف سی کپکپاہٹ تھی جو اُس کی ساری جلد پہ پھیلتی جا رہی تھی۔ اِس کی گردن سر کا بوجھ سہارنے سے عاری ہو چلی تھی اَور مُنہ ہر پَل زمین کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اِس طرح گردن لٹکائے زور آور چند منٹ تک کھڑا رہا، پھر اُس کی ٹانگیں جواب دے گئیں۔ وہ زمین پہ گِرا اَور اپنے خُون کے کیچڑ میں پہلو کے بل لیٹ کر بے حرکت ہو گیا۔ صرف اُس کی آنکھوں میں ابھی جان باقی تھی۔ اُس کے پہلو کے زخم سے خُون کا بہاؤ اب کم ہو چلا تھا اَور جلد کے سوراخ سے ایک کٹی ہُوئی انتڑی کا سرا نظر آ رہا تھا۔ یعقوب اعوان مُنہ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اعجاز اُس وَقت تک زور آور کو دیکھتا رہا جب تک کہ اُس کی آنکھوں میں مردنی نہ چھا گئی۔ پھر وہ اُس کا سَر اپنی گود میں لے کر بیٹھ گیا اَور دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

بلوائی دروازے تک آ پہنچے تھے۔ ایک دو کے ہاتھ میں جلتی ہُوئی مشعلیں تھیں۔

"بھگت سیناں،" ایک آواز آئی، "تیرے ساتھ کوئی لڑائی نہیں۔ تو اپنا بھائی ہے۔ مُسلوں کو اپنے حوالے کر دے۔"

اَندر سے کوئی جواب نہ دیا گیا۔ دروازے کو اَندر سے کنڈی لگا دی گئی تھی، اور احاطے کی تینوں دیواروں کے ساتھ بھگت سِنگھ، اُس کا بھائی سندر سِنگھ اور چچا ارجن سِنگھ بندوقیں اُٹھائے پہرے پر کھڑے تھے۔

"ارجنے،" ایک بُڈھے کی آواز آئی، "آپاں تیرے دروازے پر کھڑے نہیں رہیں گے۔ اوانوں کو باہر نکال دے۔"

یعقوب اعوان اپنی بندوق اُٹھا کر دروازے کی جانب دوڑ پڑا۔ بھگت سِنگھ نے رستے میں ہی اُسے دبوچ لیا اَور اُسے کندھے سے پکڑ کر واپس کھینچ لایا۔ بُڈھے بلوائی کے جواب میں ارجن سِنگھ نے دو ہوائی فائر کیے۔ بلوائی پیچھے ہٹ کر ایک حلقے میں زمین پر بیٹھ گئے۔ دارو کا دُور چلنے لگا۔ وقفے وقفے پر کوئی ایک اُٹھ کر آگے بڑھتا، مشعل کو اُٹھا کر واہگرو کا نعرہ لگاتا، پھر واپس جا کر بیٹھ جاتا۔ رات بھر بھگت سِنگھ کا ہاتھ یعقوب اعوان کے کندھے سے نہ اُٹھا۔

"تُو جگُو کا یار ہے، یکوُب، اَور چاچے جُوب کا بیٹا ہے،" بھگت سِنگھ نے اُس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا، "اپنے اُوپر تیرا حق ہے۔ میرے ہاتھ کٹ جائیں گے تو پھر تیرے اُوپر کوئی وار ہو گا۔ بے فِکر ہو کر بیٹھا رہ۔"

"جُوب اوان کی کیا بات تھی،" ارجن سِنگھ نے بات شُروع کی،

"دیر کی بات ہے، جُوب اوان نے اَور میں نے واردات کی، مال کھولا۔ میری غلطی سے کھڑکا ہو گیا تو مالک جاگ اُٹھے۔ مگر جُوب نے اَور میں نے مِل کر اُنہیں ڈھیر کر دیا۔ مُجھے پیٹ میں زخم آگیا تھا۔ جُوب اوان نے ساری رات میری رکھوالی کی اَور سویر ہونے سے پہلے مُجھے پیٹھ پہ اُٹھا کر گھر لے گیا۔"

"واردات کدھر کو کی تھی بھاپے،" سندر سِنگھ نے پُوچھا۔

"یاد نہیں رہا۔ آٹھ دس کوس کا فاصلہ تھا۔ میں جوُب اوان کی پیٹھ پر تھا اَور مال کی رسّی اُس کے دانتوں میں تھی۔ میں نے اُس سے کہا، یہ اڑیل مال ہے جوُبے، اُس سے خلاصی کرا، اپنی جان بچا کے چلا چل۔ کہنے لگا، بھائیا، اِس مال کے بدلے تیرا خُون نِکلا ہے، اِسے کبھی نہ چھوڑوں گا۔" ارجن سِنگھ ہنسا۔ "کیا زمانہ تھا۔ بانہہ میں زور تھا اَور آنکھ میں شرم ہوتی تھی۔ اب کچُھ بھی نہیں رہا۔ میری تو عقل ماری گئی ہے۔"

رات نِکلتی جا رہی تھی اَور مستی میں مدہوش بلوائیوں کا نرغہ ٹُوٹنے کی بجائے تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر سِکھوں کے اِس کنبے نے آپس میں مشورہ کر کے اعوانوں کو اَندر ہی اَندر سے نکالنے کی سکیم بنائی۔ یعقوب اعوان کا ذہن مُعطّل ہو چُکا تھا۔ اُس نے خاموشی سے بات سُنی اَور جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اعجاز نے روانہ ہونے سے پہلے ایک بار زور آور کے مُردہ جسم کے پاس جا کر اُس کی گردن پر پیار کا ہاتھ پھیرا اَور واپس آگیا۔ زینب اور اُس کا سامان تیار کیا گیا، جو ایک گٹھری پر مشتمل تھا، جِس میں کچُھ کپڑے اَور دو ایک گہنے تھے۔ اعجاز اگرچہ میٹرک کا اِمتحان دے چُکا تھا، مگر اپنے گھر سے چلتے وَقت اُس نے گٹھڑی میں دو تین کتابیں ٹھونس لی تھیں۔ اِس کے علاوہ اُس کے پاس صرف ایک سائیکل تھی جِسے ساتھ لے جانے پر وہ مصر تھا۔ یہ مختصر سا قافلہ کوٹھوں کوٹھوں پہ چلتا، دیواریں ٹاپتا، لکڑی کے تختوں کی مدد سے گلیاں عبور کرتا ہوا گاؤں کے اَندر تک جا پہنچا۔ وہاں ایک گلی میں دو گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ ایک کی زِین پہ زینب جم کر بیٹھ گئی۔ یعقوب اعوان نے بندوق گلے میں لٹکائی اَور زینب کے پیچھے چڑھ بیٹھا۔ جب تک اُس نے ہاتھ آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نِکال کر گھوڑے کی لگام نہ پکڑلی اُسے یقین نہ آیا کہ وہ اپنے گاؤں سے جا رہا ہے۔

"تیرا گھر گِرا کر اپنے سامنے بنواؤں گا، یکُوب اوان،" بھگت سِنگھ نے اُس سے کہا، "دو چار دِن کی بات ہے، فِکر نہ کر۔ تو اُلٹے پیر آئے گا۔"

اعجاز نے اپنی سائیکل کے اَندر بازُو ڈال کر اُسے پُشت پر جمایا اَور ایک آدمی کی مدد سے زین پر چڑھ بیٹھا۔

"گھوڑے سریندر سِنگھ کے پاس چھوڑ دینا،" بھگت سِنگھ نے کہا، "اس سے کہنا ان کو دانہ پٹھا ڈال دے۔ اَور ہاں، کہنا کہ اُس کے ساتھ اُوپر کوئی واردات ہو تو خبر کر دے۔ چل اب جا،" اُس نے گھوڑے کو تھپکی دی، "چل جوانا، واہگرو کی فتح۔"

دن چڑھنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا کہ اعوانوں کا کنبہ اپنے گاؤں کی حدود سے نِکل گیا۔ سُورج ایک ہاتھ اُوپر آچُکا تھا جَب وہ زینب کے باپ کے گھر پہنچے۔ دِن بھر زینب اپنے حمل کو سنبھالتی پھری، جو قابو سے باہر ہوا جاتا تھا۔ اُس کے بدَن کی بوٹی بوٹی پر مَوت کی کیفیت طاری تھی۔ ڈُھڈّی والے کی دائی اُس کے پاس بیٹھی رہی۔ شَام کے وَقت اس کی حالت غیر ہو گئی۔ چار کوس دُور نُورپور کا قصبہ تھا جہاں کی ڈسپنسری میں ایک ڈاکٹر موجُود تھا۔ جَب تک زینب کا بھائی اپنے ریہڑے پر ڈاکٹر کو لے کر آیا، زینب ایک بیٹے کو جنم دے چُکی تھی۔ بچّہ تندرست حالت میں تھا، مگر زچہ کی حالت نہ سنبھلی۔ گھر بھر کی نئی پُرانی چادریں بھیگ گئیں اَور اس کا خُون پِھر بھی نہ تھما۔ ڈاکٹر نے خُون بند کرنے کی سعی کی، ٹیکہ لگایا، دوائیاں دیں، مگر زینب کی طاقت زائل ہو چُکی تھی۔ اپنے خاوند کا گھر چھوڑنے کے بتیس گھنٹے کے بعد، بیہوشی کی حالت میں، زینب کے بدَن سے اس کی زِندگی کی آخری سانس خارج ہو گئی۔

یعقوب اعوان کے مُعطّل دماغ کو دِل کی ہلچل کی مدہم سی خبر ہوئی، جیسے دُور کوئی دیا ٹمٹماتا ہو۔ کوئی آدھ گھنٹہ سکوت میں رہنے کے بعد وہ یکایک اُٹھا۔ بازُو لہراتے اَور مُنہ سے جھاگ اُڑاتے ہُوئے اُس نے چیخ چیخ کر زینب کے سوگوار خاندان کو کمرے سے باہر نکال دیا، اَور دروازہ بند کر کے اَندر سے کنڈی لگا لی۔ پِھر وہ آکر زینب کے بے جان جِسم کے ساتھ لپٹ گیا۔ چارپائی پر بچھا ہوا کھیس زینب کے خُون، پسینے اَور فضلے کی آلائش سے گیلا ہو رہا تھا۔ مگر یعقوب اعوان کی نظریں صرف زینب پہ لگی تھیں۔ وہ اس مُردہ جِسم کو